پروفیسر محمد کاظم زیدی

ہندوستان کا الہامی شاعر (۱)

یہ دنیا کا شاید دنیا سے بھی قدیم دستور ہے کہ یہاں اہلِ کمال پریشاں اورار بابِ ہنر سرگرداں رہے ہیں۔ تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ انبیاء ہوں یا اولیاء وخاصان خدایا ارباب ہنر و کمال نا صرف ناقدری کے شکار نظر آئے بلکہ زمانے نے ان کی تکلیف اور تکذیب کے نئے نئے حربے ایجاد کیے، اتہام والزام کے طوفان اٹھائے ناقدری اہل کمال دنیا کا محبوب مشغلہ رہا ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس زمرہ میں کچھ نام ایسے بھی ہیں کہ جن کی زندگی میں بھرپور قدر ومنزلت ہوئی لیکن یہ تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ زمانے والے ہمیشہ ہیچ مداں کو ہمہ داں کے مقابل لاتے رہے انبیاء کے مقابل خدائی کے دعوے دار اور کذاب تھے اشقیاء آئمہ اور اولیاء اللہ کے حریف ادب وشعر کے میدان میں فردوسی ورومی ہوں یا خیام وحافظ، انوری وسعدی یا عرفی ونظیری، میر وسودا ہوں یا انیس ودبیر غرض ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جو ناقدری کا شاکی نہ ہو لیکن یہ ناقدری یہی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے اب حکیم آغا جان عیش، میاں ہدہد اور ذوق غالب کے مقابل نظر آتے ہیں وہ غالب کہ جو بازارسخن میں الہام کے جواہر لے کر آیا لیکن ''شاہ داندیا بداند جوہری'' کے مصداق جوہری ناپید تھے رہا شاہ تو اس کی حیثیت تاش کے بادشاہ سے زیادہ نہ تھی۔اب ہر پست قد خود کو دیو قامت سمجھنے لگا شاید ان ہی مطبوعہ دہلی۔ حالات کو دیکھتے

(۱) بحوالہ محاسن کلام غالب: ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مطبوعہ دہلی۔

ہوئے انسان کی تلاش میں ناکام ہونے کے بعد غالب نے کہا تھا ؎ جز در آئینہ ندیدم اثر سعی خیال۔ ہر قدر بہر طلب گاری انسان کہ رفتم یا ؎ جو چاہئے نہیں وہ مری قدر و منزلت میں یوسفِ بقیمت اول خریدہ ہوں۔ کلام نغز کے سننے والے ناپید لیکن سنانے کا فریضہ انجام دینے کی حسرت بے چین کر رہی تھی ؎ بیاور ید گر ایں جا بود زباں دانے۔ غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد کہتے ہیں کہ شاعری جزویست از پیغمبری۔ اگر شاعری پیغمبری نہیں ہے تو اس سے ملتی جلتی کوئی شے ضرور ہے۔ پیغمبر آئین الہیہ کا نگہبان ہوتا ہے اور شاعر شریعت شاعری کا محافظ پیغمبر جس طرح فرسودہ اور بیہودہ رسم و رواج کو منسوخ اور زندگی سے ہم آہنگ اور خوش آیند آئین نافذ کرنے والا ہوتا ہے بعینہ یہی فریضہ شاعر ادبی دنیا میں انجام دیتا ہے فرسودہ خیالات، سکہ بند شاعری، سوقیانہ اندازِ فکر، سخافتِ الفاظ و پامال مضامین، رکاکت و ضلع جگت کے خلاف جو بھی آواز اٹھائے وہ جزویت از پیغمبری کے زمرہ میں آتا ہے اگر یہی معیار ہے اور عیوب شاعر بھی یہی ہیں تو بلاشبہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالب آئین و مذہب شاعری کے بہت بلند رتبے پر ہیں۔
ڈاکٹر بجنوری نے ہندوستان کی الہامی کتابوں میں "وید" کو صرف خانہ پری اور اہل ہند کی دل دہی کی خاطر شامل کیا تھا۔ کیوں کہ وید چار حصوں پر مشتمل ہے ہر حصّے کے مضامین و موضوع مختلف ہیں۔ کسی حصہ میں بیماریوں کا علاج ہے تو کہیں زندگی کے مختلف ادوار اور ان کو بسر کرنے کے طریقے، کسی میں علم و حکمت کا ذکر ہے کہیں عبادت کی رسوم یہ چاروں وید کے جزو ہیں۔ عقل سلیم یہ ماننے کو تیار نہیں کہ ایسی کتاب الہامی ہوسکتی ہے۔
علامہ اقبال نے غالب کے متعلق کہا تھا

؎ فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا

"لوح سے تمت تک سو (۱۰۰) صفحے" پر مبنی کتاب میں بقول ڈاکٹر بجنوری کیا چیز ہے جو اس میں نہیں اور وہ کون سا جذبہ ہے جو اس مختصر کتاب میں موجزن نہ ہو ع کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا این جاست اس سازِ شاعری کے تاروں میں ہر نغمہ موجود ہے اک ذرا

ہمیز ہے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے۔
آرزو ہو یا حسرت کشی، رندی ہو یا زہد و ورع، شوخی ہو یا متانت، فلسفہ ہو یا اخلاق غم عشق ہو یا غم روزگار، فکر کی گہرائی ہو یا مضمون کی گیرائی نصائح کے دفتر ہوں یا بذلہ سنجی کی حکایات، سادگی و پرکاری ہو کہ بے خودی و ہشیاری ذکر قناعت ہو یا فکر عاقبت، احباب کا غم ہو کہ اعزا کا ماتم عشق کی باتیں ہوں کہ حسن کی گھاتیں، مسئلہ وحدت الوجود ہو کہ تذکرہ شاہد و مشہود ادائے خاص سے نکتہ سرائی غالب کا خاصہ اور نکتہ دانوں کے لیے صلائے عام۔
غالب انسانی فطرت کا بہت بڑا نباض اور زمانہ شناس تھا اسی وجہ سے اس نے ایسے مضامین پر قلم اٹھایا کہ جو ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے یہ غالب کی شاعرانہ عظمت ہے کہ اس کا کلام ہر دور سے مطابقت کرتا ہے غالب پرانی چیز کا مخالف نہیں تھا بلکہ ہر پرانی چیز کو نئے لباس میں دیکھنا چاہتا تھا اردو غزل کی قدیم روش اور مضمون کی پامالی کو اس نے فارسی الفاظ و تراکیب، فارسی تشبیہات و استعارات کا جامہ پہنا کر اس نہج پر پہنچا دیا کہ "طلسم گنجینہ معنی" ہر لفظ کو کہنا اور "نزول مضامین" غیب سے ماننا پڑا اب صریر خامہ نوائے سروش بن گئی ان سب خوبیوں نے مل کر غالب کو دنیا کے اور سخن وروں سے ممتاز کر دیا۔ غالب کا دور انتہائی پر آشوب تھا مغلیہ جاہ و جلال کا آفتاب غروب ہو چکا تھا غالب کو بھی گونا گوں مصائب میں مبتلا ہو کر یہ کہنا پڑا۔

؎ ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام، ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

لیکن جب حیات کی قدر و قیمت پر نظر پڑتی ہے تو آخر کار اس طرح کہتا ہے۔

؎ تاب لاتے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

میر غموں کی انتہا سے گھبرا کر:

نہ مرنے کا غم ہے نہ جینے کی شادی

کہنے پر مجبور ہو گئے لیکن غالب غم و الم سے گھبراتا نہیں وہ دنیا کی مصیبتوں کو تمسخر کی

نظر کر دیتا ہے اور ہر غم کو اس طرح ٹھوکر مار دیتا ہے۔

؎ لافِ دانش غلط و نفع عبادت معلوم۔ درد یک ساغر غفلت ہے

چہ دنیا وُ چہ دیں اب نہ زمانے کی ناقدری کا غم ہے اور نہ نالہائے دل حزیں کی بے تاثیری کا دکھ۔

ناقدری ارباب فن کا احساس ضرور تھا اور عمر بھر یہی حسرت رہی کہ کاش کوئی سخن سنج و سخن فہم ہوتا۔

؎ بیاور یدگر ایں جا بود زباں دانے غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

یہی ارمان رہا کتنی بے بسی اور بے چارگی کے ساتھ "غریب شہر" کہہ رہا ہے اور کتنی مایوسی ہے سخن ہائے گفتنی کے اظہار کی بابت سپہ گری پیشہ اور شاعری دونوں میں بعد المشر قین ہے غالب شاعری کو اپنا شعار نہیں بنانا چاہتا تھا بلکہ فن شاعری نے غالب کو اپنی عظمت و وقار میں اضافہ کے لیے اور زمین شعر کو آسمان بنانے کے واسطے اپنا لیا۔

مانبودیم بریں مرتبہ راضی غالب۔ شعر خود خواہش آن کرد کہ گردد فن ما

آج جس فن کی قدردانی ہو رہی ہے مانا کہ دوسروں کے لیے فخر گفتار تھا مگر غالب اسے ننگ سمجھتا رہا اگر اسے یہ علم ہوتا کہ میرا ننگ شاعری ادب کا طرہ امتیاز وافتخار بن جائے گا تو وہ کبھی نہ کہتا" بگذر راز مجموعہ اردو" اس نے تو نقش ہائے رنگ رنگ فارسی میں دکھائے تھے۔

اہل دنیا کا طرز تپاک دیکھ کر جلنے والا عمر بھر کسمپرسی شکار اور آرزوئے افسردگی کا یار رہا لیکن بایں ہمہ غالب نے حالات کے آگے سر نہیں جھکایا۔

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرست زمانے نے
میرا ہر داغ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

بلکہ مقام فخر و غرور پر اس طرح کہتا ہوا نظر آتا ہے

گر شعر و سخن بدہر آئیں بودے
دیوانِ مرا شہرت پرویں بودے
غالب اگر ایں فن سخن دیں بودے
آں دیں را کتاب ایزدی ایں بودے

غالب کو اپنی اس عظمت کے فن کا خود احساس تھا اور اس نے قدم قدم پر اس بات کو پیش کیا ہے۔

؎ صریر کلک من ست آں کہ در نشیمن قدس۔ بہ زہرہ شیوہ رامش گری کند تعلیم

فارسی شعراء میں اپنے نام و نسب اور فن کے متعلق جو فخر و غرور اور مباہات ہمیں عرفی شیرازی کے یہاں ملتی ہے وہ کسی دوسرے شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی عرفی نے اس کو یہاں تک بلند کیا کہ شاعری کی ایک صنف بنا دیا۔

؎ المنتہ اللہ کہ نیازم بہ نسب نیست، اینک بشہادت طلبم لوح و قلم را
اقبال سکندر و بجہاں گیری نظمم۔ برداشت بیک دست قلم را و علم را
نوبت بمن افتاد بگو یند کہ دوراں۔ آزانشی از نو بکند مسند جم را

عرفی کا یہ قصیدہ نہ اکبر کی مدح میں ہے نہ جہاں گیر کی نہ اس میں خان خاناں کی ستائش ہے اور نہ حکیم ابوالفتح کی بلکہ یہ اشعار سرکار رسالت پناہ ختم الانبیاء کی تعریف و توصیف سے مملو قصیدے سے اخذ کیے گئے ہیں عرفی کسی موقعہ پر بھی اپنی عالی نسبی کو بیان کرنے سے باز نہیں رہا۔

عرفی کے بعد اگر یہ فخاری ہمیں کہیں نظر آتی ہے تو غالب کے کلام میں:

نازم بکمال خود و برخود نفزایم
آثار درو بام صنا دید عجم را
آبائے مرا تیغ و مرزا کلک بسازست
دستپت جداگانہ بہر کار ہمم را

فرماں دہِ اقلیم کما لم نکنم جمع
لعل و دُرو فیل وفرس و کوس علم را
سلجوقیم بگوہر و خاقانیم بفن
تو قیع من بسنجر و خاقاں برا براست

قصائد پر نظر ڈالیے تو غالب انوری وظہیر فاریابی وخاقانی اور عرفی کا ہم پلہ نظر آئے گا۔ظہیر فاریابی کا مشہور قصیدہ جو قزل ارسلاں کی مدح میں ہے جس کا مشہور شعر ہے۔

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پا۔تابوسہ بررکاب قزل ارسلاں دہد

اب اسی بحر اور ان ہی ردیف وقوافی میں غالب کے قصیدے کی گریز کا حسن ملاحظہ فرمائیے۔

؎ دارم ز بروزگار نویدے کہ آں نوید
درپیریم بشارت بخت جواں دہد مدح کو دیکھیں
گردد اگر سپہر خلاف رضائے او
عذر آور دقضا و قدر ترجمان دہد
زاں رو بود چنیں کہ یزروے ادب سپہر
صد جازدور بوسہ بر آستاں دہد
از سایہ خاک را رقم توتیا کشد
از پویہ جادہ رانمط کہکشاں دہد

رودکی جو سلاست روانی اثر کے اعتبار سے مسلم ہے اس کے وہ اشعار دیکھ کر

؎ بوئے جوئے مولیاں آید ہمی
یاد یارے مہرباں آید ہمی

غالب کا قصیدہ دیکھیے:۔

؎ داور سلطان، نشان آید ہمی

سرور گیتی ستاں آید ہمی
معدلت را منصب مشا طگی
زینت افزائے جہاں آید ہمی۔
مہربان بر خلق باشد شہریار
شہریا مہرباں آید ہمی

عرفی کا مشہور قصیدہ

؎ از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

زور، اثر، مضمون آفرینی، شوکت الفاظ غرض ہر اعتبار سے معرکتہ الآراء ہے لیکن ذرا غالب کا قصیدہ ملاحظہ فرمائیے۔کون کہہ سکتا تھا کہ جس زمین اور مضمون کو عرفی نے ختم کر دیا تھا اس پر کوئی قلم اٹھا سکے گا۔

چہرہ اندودہ بگرد ومژہ آغشتہ بخوں۔خود گواہم کہ ز دہلی بچہ عنوان رفتم
جز در آئینہ ندیدم اثر سعی خیال ہر قدم بہر طلب گاریٔ انسان رفتم

عرفی کے قصائد کا پہلا قصیدہ ع اے متاع درد در بازار جاں انداختہ اپنی جگہ بے مثال ہے لیکن اس کے مقابل میں غالب کا قصیدہ دیکھیے:۔

اے زو ہم غیر غوغا در جہاں انداختہ
گفتہ خود حرفے وخودرا درگماں انداختہ

یہ صرف غالب کا حوصلہ اور اس کے فن کی پختگی اور صناعی ہے کہ اس نے عرفی کے قصائد پر قصیدے کہے اور خوب کہے عرفی کا دوسرا قصیدہ اٹھائیے۔

؎ دمے کہ لشکر غم صف کشد بخوں خواری
دلم نبالہ دہد منصب علم داری

مدح کے دفتر کھول دیئے ہیں غالب اسی زمین اور انہی ردیف وقوافی میں پھر دعوت

فکر دے رہا ہے۔

مرا دلیست بہ پس کوچہء گرفتاری
کشادہ روئے تراز شاہدانِ بازاری

وہ کون سا مضمون تھا کہ جس کو عرفی نے چھوڑ دیا تھا لیکن غالب کی قادر الکلامی، صناعی اور مضمون کی جدت پر حیرت ہوتی ہے کہ عرفی جیسے مسلم الثبوت اور قادر الکلام قصیدہ گو کے مقابل ایک نئی آن اور نرالی شان کے ساتھ ہے کسی بھی مقام پر غالب کے کلام کی خصوصیات ختم نہیں ہوتیں اور کوئی شعر کیا بندش کی چستی، مضمون کی ندرت اور کیا خیال کی جدت اور الفاظ کی شوکت غرض ہر اعتبار سے عرفی کے مقابلہ میں پستِ نظر نہیں آئے گا اسی قصیدہ میں مدح کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

مطاع آدم و عالم محمدؐ عربی
وکیل مطلق و دستور حضرت باری
تو وکلیم و کفش اجرِ آستانِ روبی
تو مسیح و دمش اجرت ہوا داری

حکیم ابوالفتح کی مدح میں عرفی کا قصیدہ ملاخط فرمایئے۔

عشق کوُ تاخرد برانداز د
عودِ شوقے بجمر انداز د

شوکت الفاظ، مضمون کی جدت، سنگ لاخ زمین، ردیف و قوافی کا اس طرح دست و گریباں ہونا عرفی کی قدرت زبان و بیان کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا، لیکن غالب نے اس قصیدے کو بھی نہیں چھوڑا اور اس کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے جامع و مانع قصیدہ پیش کر دیا جو کسی اعتبار سے عرفی کے قصیدے سے کم تر نہیں۔

داد گوُ تا ستم بر اندازد
طرحِ نَو چرخِ دیگر اندازد

اس سلسلے میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس معاملہ میں غالب نے عرفی کی تقلید کیوں کی اور اس کے قصائد پر قصائد کس وجہ سے لکھے۔ غالب ہمیشہ مضامین کی ندرت کے اعتبار سے خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہا جب غزل کے ظرف کی تنگی کا احساس ہوا تو بیان کے لیے وسعت کی ضرورت پڑی اور یہ وسعت اسے بقدرِ ظرف قصیدے کی شکل میں نظر آئی اب وہ مضمون آفرینی اور نازک خیالیاں جو غزل میں محتاج بیان تھیں قصیدہ کا روپ اختیار کر گئیں۔

اگر چہ فارسی میں عرفی کے علاوہ اور بھی مشہور قصیدہ گو گزرے ہیں جیسے انوری کہ جو در شعر سہ پیمبر انند کے زمرے میں داخل ہے خاقانی کہ جو اپنی دِقّت نظر اور علوئے خیال کی وجہ سے مشہور ہے ظہیر فاریابی کہ جو زبان کی سلاست اور صفائی میں بے مثل ہے کمال اسمٰعیل خلاق المعانی کہ جس کی شاعری قدماء اور متاخرین کی مشترک حد ہے اس کے قصیدوں میں قدماء کی متانت، پختگی اور استواری، متاخرین کی ندرت مضمون و بیان، خیال آفرینی نزاکت مضمون اور تخیل غرض کمال اسمٰعیل میں قدماء اور متاخرین کی خوبیاں جمع ہوگئی ہیں اسی بنا پر متوسطین اور متاخرین دونوں اس کے کمال فن کے معترف ہیں۔ غزل کا سب سے پہلا خاکہ کمال اسمٰعیل نے تیار کیا کمال نے غزل میں سادگی اور صفائی کے ساتھ ساتھ رنگینی، اور جدت مضمون بھی پیدا کی۔ غالب نے ان شعراء کے قصائد پر قلم نہیں اٹھایا اور عرفی کی تقلید کی آخر کیوں؟ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو مقام عرفی کو قصیدے میں حاصل ہوا اس تک کوئی نہیں پہنچ سکا اگر چہ عرفی بھی ع قصیدہ کار ہوس پشیگاں بود عرفی کہہ کر زندگی بھر غزل کو اپنا وظیفہ بنائے رہا عاشقی مدح کے سلسلہ میں طمع سے بالا ہے اس لیے اس نے قصیدہ کو کار ہوس پیشگاں کہا لیکن دنیا کی ستم ظریفی دیکھو کہ اس نے عرفی کو فارسی ادب میں حیاتِ ابدی بخش دی بعینہ یہی صورت غالب کے ساتھ پیش آئی دنیا نے اس کے نقش ہائے رنگ رنگ کی کوئی قدر نہ کی اور اس کے بے رنگ مجموعہ کو ادب کے سر کا تاج بنا دیا الہامی کتاب قرار دیا گیا غالب کو عرفی میں اپنی فطرت کا عکس نظر آیا قصیدے کے اجزائے لازمی ہر جگہ مل جائیں گے

لیکن فطرت کی یہ ہم آہنگی کہیں اور نہیں ملے گی عرفی نے بھی قصیدے کو ایک نیا رنگ دیا، پامال مضامین کو نئے لباس میں پیش کیا عام راستہ سے ہٹ کر ایک نئی راہ ایجاد کی نادر تشبیہات اور عمدہ استعارے جدید تراکیب، زور بیان، فلسفیانہ خیالات اور علوئے تخیل سے اس صنف سخن کو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا فخر وغرور خاندانی نسب اور والا حسبی پر کہیں اور نہیں ملے گا سوائے عرفی اور غالب کے اور پھر اس پر یہ طرہ کہ دونوں سلجوقی ترک اسی بنا پر غالب نے عرفی کی تقلید کی۔

یہ تو قصیدے کی حقیقت تھی اب ذرا غالب کی فارسی مثنوی اور غزل پر نظر ڈالی جائے تو غالب فارسی کے بڑے بڑے اساتذہ کے ہم پلہ نظر آئے گا متاخرین شعراء میں ظہوری اپنے ساقی نامے کی وجہ سے مشہور ہے ظہوری کے ساقی نامہ کو سامنے رکھ کر غالب کے ساقی نامہ پر نظر ڈالیے تو غالب ظہوری سے بہت بلند نظر آئے گا۔

؎ ''بیا ساقی آئین جم تازہ کن
طرازِ بساط کرم تازہ کن
پرویز ازمے درودے فرست
بہ بہرام از نے سرودے فرست
بہ دورِ پیاپے بہ پیمائے مے
بشورِ دمادم بفر سائے نے

مولانا روم کی مثنوی کے اشعار:

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائی شکایت می کند کو دیکھ کر غالب کی مثنوی ''سُرمہ بینش'' کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

من نیم کز خود حکایت می کنم
از دمے مردے روایت می کنم

از دم فیضے کہ استاد آورم
خامہ راچوں نے بفر یاد آورم
برنوائے راز حق گر دل تہی
بایدت چوں نے ز خود بودن تہی
مرد دِ رہ بایدکہ باشد مردِ حق
لب ترنم خیز و در دل دردِ عشق

وہی انداز وہی روانی اور سلاست ہے۔

شعر غالب بنود وحی ونگوئیم ولے۔ تو ویز داں نتواں گفت کہ الہامے است

اب ذرا اس کی الہامی شاعری کو دیکھنا چاہیئے ع اگر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے کہہ کر خاموش رہنے اور اپنی بات کو نافہم سمجھ کر خوش ہونے والا کیا سمجھتا تھا کہ شعروں کا انتخاب ایک نہ ایک روز رسوائی بخشے گا۔ دہر کی یہ رسوائی طبیعت کو چالاکی اور ذہن کو جلا بخشتی ہے ایک نازک حقیقت کا انکشاف کتنے حسین انداز میں کرتا ہے۔

؎ کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہوگئے

اور عشق کا یہ مقام بھی دیدنی ہے

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہوگئے

اس ایک نگاہ پر ہزاروں جلوے اور لاکھوں نظارے لٹائے جا سکتے ہیں۔

؎ بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اِک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

اس شعر کی لذت کو محسوس کیا جا سکتا ہے اسی صورت سے یہ شعر؛

ؔ گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

اس شعر سے لطف اندوزی اور اس کی کیفیت کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں. غالب کو اس بات کا شدت سے احساس تھا۔

ؔ حسد سزائے کمال سخن ہے کیا کیجئے
ستم بہائے متاع ہنر ہے کیا کہیے

اسی وجہ سے وہ زمانے کے ظلم و ستم اور دنیا والوں کے طعنوں اور تہمت تراشیوں کو ع ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں۔ کہہ کر ایک تمسخر زدہ حقارت کی نظر کر دیتا ہے غالب صرف رند شاہد باز ہی نہیں تھا بلکہ وہ صوفی کا دل اور فلسفی کی نگاہ بھی رکھتا تھا ؔ ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے۔ پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے۔ ہاں کھائیو مت فریب ہستی۔ ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے۔ شادی اور غم کے فلسفہ کو کس انوکھے انداز میں سمجھا رہا ہے۔

ؔ شادی سے گزر کہ غم نہووے، اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

مشاہدہ حق کی گفتگو میں ذکر بادہ و ساغر صرف غالب کا حصہ ہے صنف نظم میں ایک صنعت سہل ممتنع ہے اس کی جتنی اچھی مثالیں غالب کے یہاں ملتی ہیں وہ کہیں اور نظر نہیں آتیں ع درد مِنّت کش دوانہ ہوا یا ع پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا اور دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے۔

یہ غزلیں اس دور کی یادگار ہیں کہ جب غالب کو شدت سے یہ احساس ہوا کہ زمانے والے بیدلیت کو قبول نہیں کر سکتے فلسفی کی ژرف نگاہی ان لوگوں کے ذوق سلیم سے بالاتر ہے پھر ع کوئی امید بر نہیں آتی اور ع دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے وغیرہ جیسی بے نظیر غزلیں اردو ادب کو بخشی گئیں۔

تہمتیں تراشنے والے تہمتیں تراشتے اور سر پر آرے چلاتے رہے لیکن غالب نے ہمت نہیں ہاری اور یہی کہتا رہا ع دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے، حالانکہ وہ شخص کہ جو اپنی ذات پر رشک کر رہا ہو دوسرے سے کسی تعلق کا اسے ہوش کہاں دیکھنا قسمت کہ

آپ اپنے پر رشک آجائے ہے۔ میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے۔ رشک کا یہ مقام بھی دیکھیے۔

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر

یہ رشک ہی کی تو بات تھی جس نے ہر کیف اور لذت سے بے نیاز کر دیا تھا۔

گزرا اسد مسرتِ پیغام یار سے
قاصد پر مجھ کو رشک سوال و جواب ہے

یہ اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جس صورت سے غالب نے رشک اور وصال و فراق کی کیفیات کو پیش کیا ہے وہ بہت کم کسی اور شاعر کے حصہ میں آئی ہے

ؔ در ہجر طرب بیش کند تاب و تبم را[1]۔

مہتاب کفِ مارِسیا ہست شبم را۔ اردو اور فارسی کے اساتذہ کے دیوان پلٹ جایئے لیکن ہجر کی یہ کیفیت اور رنج و غم کی یہ صورت کہیں اور نظر نہیں آئے گی۔

☆☆☆